www.pklibrary.com

نازیہ رزاق

کُھلی آنکھوں کا خواب

pklibrary.com

اسلام علیکم!

ہمیں اپنے Blog kitabdost

http://kitabdostpk.blogspot.be

اور readingpoint

http://readingpointpk.blogspot.be

کے لیے لکھاریوں کی ضرورت ہے جو ہمارے لیے ناولز

لکھ سکیں جو خواتین و حضرات شوقین ہیں وہ

ہمیں اپنی تحریر (ناول،ناولٹ،افسانہ قسط وار ناول)

اس میل آئی ڈی پہ سینڈ کر سکتے ہیں

maisrasultan@gmail.com

فیس بک پہ بھی اس میل کے زریعے رابطہ کریں

www.pklibrary.com

ناولٹ

اٹلی کے شہر میلان کے پرتعیش ہوٹل کی تیرھویں منزل پر واقع اس مہنگے ترین سویٹ میں ہلچل اس وقت مچی تھی جب اس سویٹ میں تین دن سے رہتے پانچ افراد نے روم سروس کے ساتھ اپنے مالک کو داخل ہوتے دیکھا۔

"سر! آپ ہمیں زحمت دے دیتے۔ آپ خود۔" ایک نے ہڑبڑا کر اپنی شرٹ درست کرتے ہوئے کہا۔ دوسرے اسکاچ کی مہنگی بوتلوں کو ٹھوکروں سے صوفوں تلے دفع کرنے میں بری طرح منہمک تھے۔

"کیا میں تمہارے پول میں تیراکی کر سکتا ہوں؟" وہ اپنی شرٹ اتارتے ہوئے بولا۔

"یہ میرا سیل فون پکڑو اور اسے کھڑکی سے باہر میلان کی سڑک پر دے مارو، اپنے اپنے فونز باتھ رومز میں بند کر آؤ۔ کچھ بھی کرو مگر مجھے فرانس سے آیا کوئی فون نہیں سننا۔"

اور اسی پل جب وہ اپنا سیل فون کم (kim) کی طرف اچھالتا پول میں غوطہ لگا چکا تھا۔ جون کا فون تھرتھرایا۔ اور اسکرین دیکھتا جون جیسے

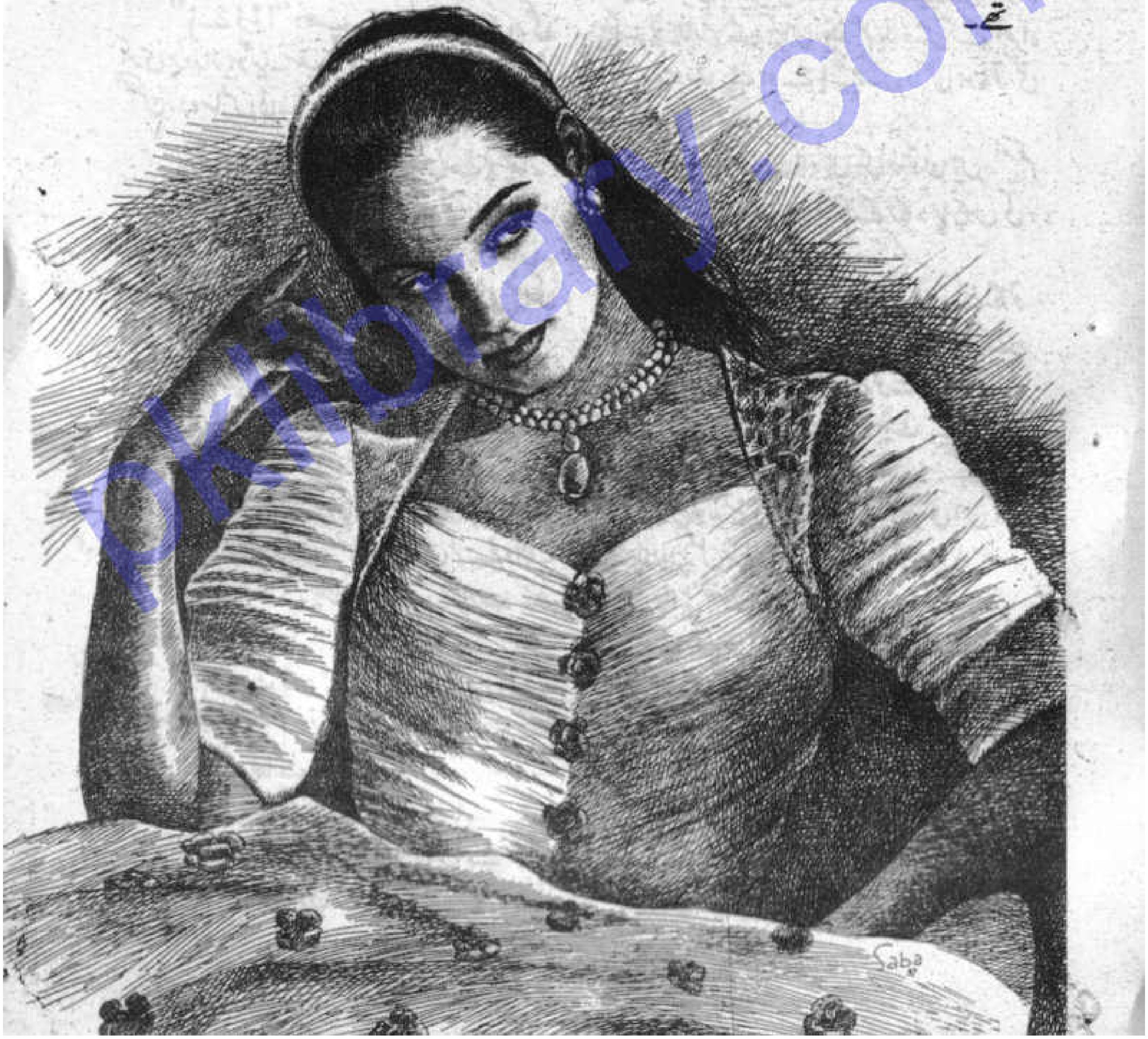

www.pklibrary.com

سرسوں کا کھیت ہوگیا۔ غوطہ کھایا وجود پول کی دوسری طرف گیا' پلٹا کھایا' واپس آیا۔

"اٹھاؤ۔" جون کو فون اٹھانے کا حکم دیا اور پھر سے پول کی دوسری طرف تیراکی شروع کردی۔

"جون! تمہارا باس کہاں ہے۔ اس کا فون کیوں بند ہے؟" اسکرین پر نظر آتا وہ ارب پتی پوچھ رہا تھا۔

جون نے کیمرہ تیراکی کرتے 'باس' پر سیٹ کیا اور دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ پھر ایک گہری سانس بھری گئی۔ صبر سے تیراکی کے پانچ منٹ پورے ہونے کا انتظار کیا گیا۔ وہ باہر آیا۔ خود کو خشک کیا۔ جون کو اشارہ کیا کہ فون قریب لاؤ۔

"ہائے ڈیڈ!" دھپ سے پول کے پاس رکھی کرسی پر دراز ہوگیا۔ سفید بالوں والے خوبرو مرد نے تھکن زدہ سانس لی۔

"تم سوزین سے ملے؟" انہوں نے پوچھا۔

"میں بتا چکا ہوں کہ مجھے آپ کو آٹھ سو ملین پاؤنڈز کا فائدہ دلانے میں ذرہ برابر دلچسپی نہیں۔ اور...... ہائے لینا ڈیئر! لگ رہی ہو۔ تمہاری بیٹی کی خارش ٹھیک ہوئی؟"

بالک کو قہوہ سرو کرنے آئی لینا گھبرا کے ہاں میں سر ہلاتی فوراً مڑ گئی۔ باپ نے بے بسی سے اپنے بیٹے کو دیکھا۔

"اب اس قدر بے چارے بھی نہ بنیں۔ یونو، میں شادی کے نام پر کوئی بزنس ڈیل نہیں کرنے والا۔ آپ کو میرے مطابق چلنا ہی ہوگا۔" شرارت سے کہنے لگا۔

"تم سویٹ میں کیوں نہیں رہتے۔ وہ ایک چھوٹا سا ہوٹل روم تم نے خود لے رکھا ہے اور سویٹ ملازمین کو دے رکھا ہے۔ حد ہے تمہاری۔"

"وہ روم زیادہ گرم ہے ڈیڈ۔" وہ ہنسا۔

"سوزین کی ماں اپنے ذوق میں بے مثال ہے۔ یقیناً بیٹی بھی ہوگی۔ تم مل تو لو۔" ماں نے زبردستی اسکرین پہ آ کے فرانسیسی زبان میں رائے دی وہ زبان بدل کے باپ سے کہنے لگا۔

"آپ جانتے ہیں مجھے بدذوق لڑکیاں مرغوب ہیں۔" دونوں ہنسنے لگے' ماں کی ناراضی شروع۔

"اوکے! اولڈ سینٹر میں جس کام کے لیے آیا ہوں وہ نبٹا لوں تو سوزین کے اعلا ذوق کی بھی داد دے دوں گا۔"

مرینہ مسکرا دیں۔ وہ ان کا منفرد بیٹا تھا۔ وہ فرانس کی اشرافیہ سا بناوٹی نہیں تھا۔ وہ خود تصنع زدہ تھیں مگر شوہر کی محبت میں مبتلا وہ بیٹے کی ہر ادا پر جان دیتیں وہ فون رکھ کر تیار ہوتا' ناشتا باغیچے میں منگواتا بلیک یونیفارم میں ملبوس ہینڈسم ملازمین کے ہمراہ گرے سوٹ پہنے ہوئے باغیچے میں داخل ہوتا تو کئی ایک کو مرعوب کیا اور یہ کیا......

"سر...... سوزین لارنس یہی خاتون ہیں۔" کم کی آواز مریل ہوگئی۔ وہ اکتا کے رکا۔ پانچوں کی طرف مڑا۔

"مجھے زہر لا دو بھائی۔" وہ رقت سے کہنے لگا تو پانچوں ہنسنے لگے خیر آ گے تو جانا ہی تھا۔ بلیک اسکرٹ، منی شرٹ اور لانگ سفید فر والے کوٹ کو کندھوں پر ٹکائے۔ سنہری بالوں کو محنت سے سیٹ کیے وہ لڑکی دلکشی سے مسکراتی استقبال کو اٹھی۔

کرسی کو بدتمیزی سے کھینچ کے بیٹھتے ہی اس نے اپنے پلان پر عمل شروع کردیا۔ یعنی کہ فون پر بلا مقصد انگلیاں چلانا' فضول میں زبان چلانا۔

"یہ ہوٹل سروس بھی ناں، صبح انہوں نے۔" وہ اسے دیکھتا تک نہیں اور فون کو دیکھتے ہوئے وہ ہر گھٹیا الزام ہوٹل پر لگاتا گیا۔ لڑکی خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

"دن کے تین بج رہے ہیں کبیر! میں تین دن سے تمہارے پیچھے خوار......"

"تین سہ پہر کے بجتے ہیں محترمہ! یار یہ تم

www.pklibrary.com

لڑکیوں کو واقعی کچھ علم نہیں ہوتا' کائنات کے مظاہر کا یا تم لوگ صرف ظاہر کرتی ہو توجہ لینے کے لیے۔"

کسی کو نہیں بلکہ دوسری میز پر بیٹھے ان پانچوں میں سے ایک کو کال ملا کے بڑی بڑی کاروباری اصطلاحات استعمال کرتے ہوئے وہ انتہائی چیپ انداز میں سوزین کو دیکھ رہا تھا۔ بیرا ناشتا سرو کرنے آیا تو اس نے ہاتھ سے ساس گرادی۔

"اوہ سوری...... یہ سروس بھی ناں!" وہ پھر شروع ہو گیا۔

"تمہارے باپ کو میرے باپ کے آٹھ سو ملین پاؤنڈز پروجیکٹ کی ضرورت ہے اور تمہیں یہ حقیقت سمجھنے کی کہ میرے سوا پورے فرانس کیا پوری دنیا میں تمہارے برابر کی کوئی نہیں۔" سر پر ہاتھ مار کے وہ سچائی اگلتی ہے۔ وہ رکتا اس کا غرور پرکھتا مہر لگاتا ہے۔

"میرے باپ کو دنیا میں فقط ایک چیز کی ضرورت ہے اور وہ ہے آرام اور مجھے تمہاری ضرورت ہوتی تو تمہیں یہ بات مجھے بتانا ہی نہ پڑتی۔

اب کہو تو آٹھ سو ملین تمہاری گاڑی میں بھروا دوں اپنی جان' چھڑانے کا تاوان یا پھر مجھے سکون سے ناشتا کرنے دو گی؟" سوزین جھٹکے سے اٹھی۔

"اور ہاں...... کیا یہ ہے تمہارا ذوق' بلیک ڈریس وائٹ کوٹ سنہری جوتے اور سبز نیل پینٹ...... اتنے رنگ تو میں بچپن میں اپنی ڈرائنگ بک میں نہیں بھرتا تھا' اب تو ویسے بھی میں بڑا ہو گیا ہوں۔" اب اس سے زیادہ سوزین کیا سنتی؟

اور پھر اسی رات اسی گرے سوٹ میں وہ دنیا کے سب سے بڑے فیشن شو کو لائیو دیکھنے گیا۔ ریمپ کے ساتھ پہلی قطار میں بیٹھا وہ کبیر ہرگز نہ تھا۔ دور کھڑے وہ پانچوں اسے دیکھ رہے تھے۔

"بچاری" وہ زیر لب اسے یہی کہتے۔

پھر یوں ہوتا کہ میلان کی ہوائیں چین سے آیا ریشم ہو جاتیں۔ تبت سے آیا زعفران اور استنبول سے آئی سنبل کی روئی۔ ہوا کے اتنے رنگ خبر دیتے کہ یہیں ہے وہ ترتیب آنے کو ہے۔ اور وہ فیشن ویک کی شو اسٹاپر، دنیا کی کم عمر ترین اور عظیم ترین پینٹر ایک پرکشش فنکار، ایک بے مثال مجسمہ ساز ایک سینسیشن ایک انسپائریشن اودے رنگ کے بے ترتیب اور بے تحاشا لمبی ٹیل والے گاؤن میں کندھوں تک آتے بالوں کو سگنیچر (مخصوص) اسٹائل میں ہلکا کرل کیے چہرے پر چمکتا میک اپ۔

ہوا شور کرتی۔ پاگل ہوتی کہ وہ اتنی قریب ہے۔ وہ سامنے آئی۔ اس کے برابر لوگوں کو دیکھتی ہاتھ ہلاتی۔ مسکراتی اور ساری ٹیم اکٹھا ہو کے آگے بڑھتی۔ لوگ سٹیس سے کھڑا ہو کے داد دیتے اور وہ ......وہ کبیر ہرگز نہ تھا۔

پھر وہ گاڑی میں بیٹھا۔ کم اس کے برابر بیٹھا۔ اور ڈر کے کہنے لگا۔

"سر! ذرائع نے بتایا ہے کہ میڈم شادی کر رہی ہیں اسی مائیکروسوفٹ کے ایگزیکٹیو سے۔" وہ تادیر

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف
سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول
حساب دل رہنے دو
نبیلہ عزیز

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37, اردو بازار، کراچی
فون نمبر: 32735021

www.pklibrary.com

چپ رہا۔ اپنی ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا۔ پانی کی بوتل کھولنے لگا۔

"کب ملی خبر؟"

"سر آج صبح ...... مگر میں کنفرم کرنا چاہتا تھا ......"

"روکو شادی، روکو شادی روکو! اس کی۔"

وہ اس قدر زور سے دھاڑ کے بولا کہ دوسری گاڑی میں بیٹھے باقی چاروں کے کانوں میں لگے آلے جیسے پھٹ پڑے۔ تم جلدی سے گاڑی سے نکلا جیسے سیدھا شادی رکوانے جائے گا۔ پھر جیسے ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ پانی پی کے آنکھیں موندے وہ لڑکا یہ جانتا تھا کہ شادی تو نہیں ہوگی "میڈم" کی۔

☆☆☆

کسی وقت زندگی میں اندھیرے کے سوا کچھ نہیں...... جیسے تیج دن۔

بارہ فروری کا تخ بستہ دن، بارہ فروری کا منحوس دن......

اس دن وہ مارسلز کی ٹھنڈ میں خود کو دفن ہوتا پاتی اسکول بیگ کا ناقابل برداشت بوجھ اٹھائے وہ سب وے کی طرف چلتی جاتی۔ اسے یاد آتا شیخوپورہ پاکستان کا وہ قصبہ، سرخ ٹائلوں، لکڑی کے منقش دروازوں، دہلیزوں، کھڑکیوں اور کشادہ دالان والا وہ جنتی گھر، اس کا باپ اس کے بال بناتا تھا۔

"فرید پتر! ویاہ کرلے کب تک اس کی پونیاں بنائے گا۔ اک کڑی (لڑکی) کے لیے پوری زندگی نہ تیاگ۔ کل کو یہ ویاہ کے چلی گئی تے روتا رہیں اپنی مری ماں کو۔" دادی روٹیاں پکاتیں مکالمے بولتیں۔ ابا اس کا ٹفن تیار کرتے۔ چپ رہتے۔

"میں ساگ نہیں کھاتا۔" وہ ٹھنکتی۔ دادی چمٹا اس کے گھٹنے پر مارتیں۔ "اس عمر میں کون سے دم پخت بناؤں تیرے لیے۔ ہیں۔" ابا نکڑ والی دوکان سے انڈا خرید لے جاتے۔

"نخرے دیکھ، کیسے کرتی ہے کالی کلوٹی چمڑی (اوپروں (اوپر سے) جہانوں وکھری بیماری، میں ساگ نہیں کھاتا۔" دادی نقل اتارتیں۔ وہ دروازے کے پیچھے چھپی ہچکی پہ ہچکی لیتی، گردن جھٹکتی، پلکیں جھپکاتی، ابا واپس آتے۔

"اماں! مرچی ڈال کے بھون دو، بچی ہے۔ نہیں پسند کرتی ساگ تو۔" اسے ڈھونڈتے۔

"اماں کیا کہا ہے آپ نے اسے؟" ابا اسے گلے لگاتے۔

"میں نے کتنی بار کہا ہے اسے کچھ نہ کہا کریں۔ یہ ہچکیاں اس کی دماغی نشوونما روکتی ہیں اور آپ ہیں کہ آپ کی سمجھ میں نہیں آتا۔"

"او کچھ نہیں ہے اسے یہ کون سی بیماری ہے نہ سنا نہ جانا۔ بس کمزوری ہے۔ کھاتی پیتی تو کچھ ہے نہیں۔ یہ نہیں کھانا، وہ نہیں کھانا۔" ٹفن بند کر کے آتی دادی ذرا نرم ہوئیں اس کی حالت دیکھ کے۔

"شائنہ پتر، کم رویا کر، نہیں آتیں ہچکیاں" وہ سر ہلاتی۔ یہ یوں ہر روز ہوتا۔ اماں کے بعد ابا نے شادی نہیں کی تھی۔ وہ اسے ساتھ لگائے پھرتے۔ کھیتوں میں جاتے تو وہ ساتھ۔ اسکول، ٹیوشن، مسجد اسے خود چھوڑتے، لاتے۔ اسے نہلاتے، بال بناتے، لوریاں تک سناتے۔ وہ ابا کے ساتھ خوش تھی۔ جیسے اسے معلوم نہ تھا کہ اماں کیا ہوتی ہے۔ دادی سخت طبیعت تھیں مگر ابا کا ساتھ دیتیں پر بھی بھی ہار جاتیں اور پھر وہ بھی زندگی سے ہار گئیں۔

شائنہ فرید کے پاس بس ابا رہ گئے۔

"شائنہ! نہالو بیٹا۔" وہ اس کے کپڑے، غسل خانے کی کھونٹی پہ ٹانک کے آواز دیتے۔

"آج دوپہر میں دال کو بگھار لگالوں؟" وہ ٹفن بستے میں رکھتے پوچھے۔

"یہ نہیں گلابی ستاروں والا پہن کے آؤ۔" ثمرین آپا کی شادی پر وہ فیروزی سوٹ پہنتی تو کہتے۔ وہ گلابی پہن لیتی۔ ابا اس کی ٹھنی سی چٹیا بناتے۔ گلابی بام ہونٹوں پر لگا کے دوپٹا اوڑھا دیتے۔

لوگ فرید حسن پر ہنستے۔ جو ہانڈیاں بناتے، صحن برآمدوں میں پونچھا لگاتے۔ کھیتوں میں جاتے تو

www.pklibrary.com

کپڑوں پر بھی چائے کے داغ ہوتے، واپس آتے تو گوبر مٹی سے آئے ہوئے۔ لوگ فرید حسن کو شائنہ فرید کے کرتے کی ادھڑی سلائی مرمت کرتے دیکھتے۔ لوگ اسے فرید حسن کی قمیص کا دامن انگلی پر لپیٹ کے سوتا دیکھتے کہ اسے اس 'حصار' کے بغیر نیند ہی نہ آتی تھی۔ وہ ابا سے شروع کرتی ہر شے۔ ابا پہ ختم کرتی وہ کاغذ پر ہرا بھرا گھر بناتی' پہاڑ اور سورج کے سامنے بنایا گیا گھر پھر وہ اس میں خود کو اور ابا کو بناتی۔ فقط دو نفوس۔ ابا دیکھ لیتے تو کافی دیر چپ رہتے۔ اگلے دن کہتے۔

''شائنہ...... ادھر اپنی ماں بھی بناؤ بیٹا۔ دادی اور چچا بھی، چاچے کے بچے چاہے نہ بناتا پر ہمارا خاندان تو بڑا ہے۔'' پر وہ کیسے جانتی کہ خاندان کیسے بڑا ہے۔

☆☆☆

پھر...... بارہ فروری کو...... ابا مر گئے۔

تیرہ سالہ شائنہ فرید کا خاندان مر گیا۔

وہ ہائی اسکول کے میدانوں میں جگہ جگہ بیٹھتی۔

پھر وہ نامعلوم چچا، ابا کے جانے کے بعد آئے تھے پاکستان۔ وہ فرانس میں رہتے تھے۔ پھوپھو سے مشورہ کرنے کے بعد وہ اسے مارسلز اپنے گھر لے آئے تھے۔

وہ ہائی اسکول کے باتھ روم میں منہ پہ چھپا کے مارتی اور پانی تلے روئے جاتی۔ ہچکیاں جان لیوا ہوئی جاتیں۔

چچا منیر حسن کی ایرانی بیوی اور دو الٹرا ایڈوانس بچوں کو اس کے آنے کی نہ تو پرواہ تھی نہ فکر۔ نہ کوئی اس کی گھنی چٹیا گوندھتا نہ مرضی پوچھ کے کھانا بناتا۔ رات سونے سے پہلے وہ بیڈ شیٹ کا کونا انگلیوں پر لپیٹتی اور ہچکیاں لیتی۔

''وہ تو کاکی تھی اللہ جی اور یہ بیماری...... ابا پھر بھی مر گئے' وہ کیسے مر سکتے ہیں؟ شائنہ اب کیا کرے گی؟ شائنہ اب کیا کرے؟'' وہ بڑبڑائی۔

وہ آج پانچ سال بعد بھی اتنی ہی دکھی تھی کہ بھرپائی کی کوئی راہ نہ تھی۔ مارسلز آئے بھی تین سال ہو چکے۔

☆☆☆

ہائی اسکول سے واپسی پر اسے وہی افریقین پامسٹ نظر آئی تھی۔ جو سب وے کے راستے میں پل پہ ایک طرف بیٹھتی۔ آج وہ اس عورت کے پاس چلی آئی۔

''ہاتھ آگے کرو۔'' اس عورت نے کہا۔ شائنہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔ وہ عورت خاموشی سے اسے دیکھتی رہی اور مسکراتی رہی۔

''کیا چاہیے؟'' پل کی ریلنگ سے ٹیک لگاتے وہ پوچھ رہی تھی۔

''مجھے ابا چاہئیں۔'' اس نے ہچکی لی۔ سر کو بائیں طرف جھٹکا دیا۔ گردن دبائی۔

''مرے ہوئے واپس نہیں آتے۔'' وہ کھردرا سا بولی۔

''مجھے ابا واپس چاہئیں۔'' وہ رونے لگی۔ افریقین عورت تادیر اسے دیکھتی رہی۔

''کل آنا۔ سب ملے گا۔'' شائنہ کا رونا بند ہو گیا۔

''ابا بھی؟'' اس کی کالی کالی آنکھیں پوری وا ہو گئیں۔

''شاید۔'' وہ پھر سے مسکرائی۔ اور اس رات شائنہ سے سویا نہیں گیا۔ کیا پتا واقعی ابا مل جائیں۔ وہ سوچتی رہی۔ اور صبح ہو گئی۔

وہ بیگ کندھے پر ڈالے اسکارف لپیٹے بھاگتی جاتی پل کی طرف مگر وہ افریقین عورت کہیں نظر ہی نہ آئی۔

مارسلز جیسے آنکھ بن گیا ہو۔ اور اس عورت کو ڈھونڈنے میں لگا ہو۔ اور اس رات جب بارش نے ٹھنڈ کو ڈبل کر دیا تھا' اس نے پل پر بیٹھی اس تنہا عورت کو دیکھا۔ بھاگتی ہوئی وہ اس تک آئی۔

''کہاں تھیں تم؟'' وہ تیز سانسوں میں پوچھنے لگی۔

www.pklibrary.com

"شش...... چپ رہو...... اور ادھر بیٹھو۔" ایک دم شائنہ کو کچھ پراسراریت کا احساس ہوا۔ وہ عورت کے ساتھ تنہا تھی حالانکہ کچھ دیر پہلے لوگ موجود تھے۔ خاموشی بھی بہت بھیانک تھی جیسے سارا پل، ساری سڑک ویران تھی۔

"تمہارے لیے کچھ ہے۔" وہ پراسراریت سے آگے کو جھک کے بولی۔ "مگر وعدہ کرو، یہ بات راز ہی رہے گی۔"

"مجھے تو ابا......" اس نے بولنا چاہا۔

"وہ بھی ملے گا......" عورت جلدی سے بات کاٹ کے بولی۔ "بس راز کی حفاظت......"

"میں راز رکھوں گی، وعدہ۔" اب کے وہ بات کاٹ کے بولی۔

"یہ رہی وہ چیز" وہ تیل کا ایک سنہری چراغ تھا جس پر قدیم نقش تھے۔

"یہ کیا ہے؟" وہ حیرت سے چراغ کو دیکھتی عورت سے پوچھنے لگی۔

"جادو کا چراغ" عورت نے دوٹوک بتایا۔

"مطلب؟ واقعی والا چراغ؟ یہ...... یہ کیا مذاق ہے میڈم؟" اس نے چراغ کو ہاتھ نہ لگایا۔

"آزمائش شرط ہے۔" ہونٹوں پہ انگلیاں رکھ کے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے وہ عورت کہنے لگی۔

"اس میں قید جینی کو رہا کرو اور پوری کروالو اپنی تین مرادیں۔"

خوف زدہ شائنہ کو ہر طرف اندھیرا اور سرسراہٹیں محسوس ہوئیں۔

"یہ سچ نہیں۔" وہ بے یقینی سے اٹھ گئی تھی۔ عورت مسکرائی۔

"کچھ ناممکن نہیں۔ کائنات کے کچھ راز ہر ایک پہ نہیں کچھ منتخب لوگوں پہ ہی وا کیے جاتے ہیں۔"

"مجھے نہیں لینا کچھ۔" وہ دو قدم پیچھے ہٹی۔

"تمہارا انتخاب ہوا ہے لڑکی۔" وہ عورت کہنے لگی۔ "چراغ تمہیں خود ڈھونڈ لے گا، کہیں بھی۔" وہ اندھا دھند بھاگتی رہی۔ یہ جانے بغیر کہ جس چراغ سے وہ بھاگ رہی ہے، وہ اس کے بیگ کے ساتھ ٹنگا گھر کو جا رہا ہے۔

☆☆☆

میلان میں رات ختم ہونے کو تھی جب وہ اپنی ٹیم کے ساتھ ہوٹل میلانو کو نکلی گاڑی کے باہر اندھیرے کو فنا کرتی روشنیاں بھاگتی جاتیں۔ وہ اپنے کوٹ کی فر کو سہلاتی۔ باہر دیکھتی رہی۔ اس کا سیل فون تھرتھرایا۔

"میم! آپ کا پیغام......" فرنٹ سیٹ پر بیٹھی اس کی پرسنل اسسٹنٹ نے پیچھے مڑ کے فون دینا چاہا۔

"رہنے دو۔ شب بخیر کا ہوگا ٹیکسٹ۔" تھکن زدہ بھاری آواز میں کہا۔

"نہیں میم! یہ سرعماد ہیں۔ کوئی بات کرنا چاہ رہے ہیں۔" وہ ٹھٹکی۔ فون پکڑا۔

"پرسوں سہ پہر کو پری ویڈنگ شوٹ اور پارٹی کے لیے ریڈی رہنا۔ میرے لیے بہت بڑی ڈیل ہے یہ پارٹی۔" بھاری بوجھل سانسوں سے اس نے پیغام پڑھا۔ خلجان سے ماتھا سہلایا۔

"ٹیکسٹ نہیں آیا۔ حیرت ہے۔"

"نتاشا...... صبح کوئی پارسل آیا تھا کیا؟" وہ ہسٹری میں جاکے دیکھتی کہ صبح بخیر اور اچھے دن کی مبارک باد تھی۔

"جی میم! آپ کے فیورٹ کیپیز (Capies) اور کارتھیا کے پھول۔ آپ نے دیکھے نہیں۔"

"پھر کیا ہوا؟" تادیر فون کی اسکرین کو دیکھا۔ اس انجان نمبر کی کالوں کی وہ عادی تھی۔ دو سال میں پہلی رات تھی کہ میسج نہ آنے کی فکر میں مبتلا ہوئی تھی۔ ہوٹل کے گرم پانی سے غسل کرنے کے بعد جیسے صبر کی انتہا ہوئی ہو۔ وہ لپک کے فون تک آئی۔

"کیا آج تم شو میں موجود تھے؟" دو سال بعد اپنی شادی سے ہفتہ پہلے وہ کسی ایرے غیرے سے بات کرنے کو بے تاب تھی۔ بال سلجھاتے ہوئے وہ خاموش اسکرین کو دیکھتی رہی۔

بیڈ پر لیٹے وہ پرانے میسجز پڑھنے لگی۔

"بلیو رنگ...... امم م اچھا لگتا ہے تم پر وائٹ بہت اچھا۔" وہ مسکرائی۔

"اتنے رنگ تمہاری انگلیوں پر ہر وقت سجے رہتے ہیں۔ دیکھو! کہیں رنگوں کی شناخت نہ بھول جانا۔ اچھا بتاؤ' گلابی رنگ کی کتنی قسمیں ہوتی ہیں۔" وہ کچھ اور مسکرائی۔

"پیرس میں بہت گرمی نہیں؟ تم یونان کیوں نہیں جاتیں۔"

ایسے بہت سے پیغامات بے ربط، غیر مستقل، غیر سنجیدہ، وہ کبھی پڑھتی، کبھی کچھ کچھ، کبھی بالکل نہیں۔ عماد اسے پری ویڈنگ شوٹ کا تھیم واٹس اپ کر رہا تھا۔ ویڈیوز، فوٹوز، ڈیزائنر کے نمبرز، اپنی رائے وغیرہ۔ انسٹاگرام پہ لوگ تعریفوں اور ستائش کے پل باندھ رہے تھے اور وہ...... بیڈ سے سر لٹکائے، پرانے میسجز پڑھنے میں مصروف تھی۔

بہت وقت بتانے کے بعد وہ خود کو گھسیٹ کے بیڈ پر گری۔ نیند کی وادیوں میں اتر گئی۔ صبح اسے نتاشا نے جگایا تھا۔

"میم! ہماری فلائٹ ہے پیرس کے لیے۔" وہ بالوں کا جوڑا بناتی اٹھی' فون اٹھایا اور......

"ملتے ہیں سترہ ریومونٹ پیرس۔ تمہارے اسٹوڈیو میں دن دس بجے۔" اتنا غیر متوقع جواب پڑھ کے وہ کچھ دیر کے لیے جہاں کی تہاں رہ گئی۔

"ایلیکیوز می۔" ایک مغرور سی ایموجی کے ساتھ وہ جواب ٹائپ کر رہی تھی۔ مائیکل سے بات چیت کرتے ناشتا کرتی۔ مائیکل اس کا مینجر تھا۔

"یہ بات تو صدیوں سے طے تھی کہ جس دن تم نے ریپلائی کیا۔ اسی دن ملاقات طے ہو جائے گی۔ مگر۔ وہ مائیکروسافٹ انجینئر زیادہ اسمارٹ نکلا۔" وہ مسکرائی، بے وجہ۔

"میم! ہماری فلائٹ۔" نتاشا نے یاد دلایا۔ وہ اسے دیکھنے لگی۔

"پینک کو قابو کرنا سیکھو نتاشا۔ زندگی میں دیر

خواتین ڈائجسٹ میں راحت جبیں کے قسط وار چھپنے والے خوب صورت ناولز

زرد موسم

قیمت -/1000 روپے
25% ڈسکاؤنٹ
قیمت -/750 روپے

تتلیاں پھول خوشبو

قیمت -/300 روپے
25% ڈسکاؤنٹ
قیمت -/225 روپے

پاکستان میں کہیں بھی بذریعہ فون منگوائیں ڈاک خرچ فری

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر: 021-32216361

www.pklibrary.com

www.pklibrary.com

سویرہو جانا زندگی سے زیادہ اہم نہیں۔" بیگ کندھے پر ڈال کر وہ اس اعتماد سے بولی کہ نتاشا مزید متاثر ہوگئی۔ "خیر کل...... دس بجے اسٹوڈیو میں۔"

اور یونہی اگلا دن آ گیا تھا۔

☆☆☆

اس دن پیرس میں دھوپ نکلی تھی۔ بہار کی کھلی کھلی سی دھوپ وہ 17 ریومونٹ برن کی عمارت کے سامنے گاڑی میں بیٹھا دس بجنے کا انتظار کر رہا تھا۔ ڈارک گرے ہائی نیک شرٹ اور لائٹ گرے پینٹ، چمکتے ڈائل والی مہنگی ترین گھڑی، نفاست سے سیٹ کیے بال، انتہائی حسین چہرہ، مضبوط ڈیل ڈول، وہ انتہائی پرسکون انداز میں عمارت کے شیشوں کو دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں معلوم ہے کم جب میں نے اسے دیکھا تھا۔ پہلی بار تو وہ ایک اسٹرگلنگ آرٹ کالج پیرس کی عام سی اسٹوڈنٹ تھی۔ مگر اس کا اعتماد، ٹھہراؤ، خود پسندی نما معصوم غرور۔" وہ ہنسا۔

"اس کے کندھوں سے ٹکراتے بال، ناک کی لونگ اور کھنکتی ہنسی، کتنے ہی سال میں نے اس گھڑی کا انتظار کیا ہے۔" دوسری طرف نتاشا کی لائی گئی کافی کا گھونٹ بھرتی وہ انتہائی غیر آرام دہ انداز میں صوفے کا بازو سہلائی۔

"مجھے لگتا تھا وہ وقت کا پابند ہوگا۔" ابرو کمان کیے تنک کے بولتی۔

"ابھی دو منٹ ہیں دس بجنے میں۔" نتاشا لیپ ٹاپ اور کافی اٹھائے اسٹوڈیو سے منسلک آفس میں گئی۔

"اے اس گدھے، کاٹھ کے الو سے شادی کا فیصلہ اتنی جلدی نہیں کرنا چاہیے تھا۔" وہ گاڑی سے زمانے کی دھجیاں بکھیر دینے والے انداز میں نکلا۔

"میں بس یہ جاننا چاہتی ہوں کہ اس کے اتنے زیادہ پر اعتماد ہونے کی وجوہات کیا ہیں۔" وہ اپنے سفید ٹاپ اور سفید ہیلز کو ذرا سنوارتے ہوئے بولی۔

تب ہی مائیکل نے اطلاع دی کہ مہمان آچکے ہیں۔ اس نے ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ کافی اٹھائی اور دروازے پر مائیکل کو اشارہ دیا۔

پھر یوں ہوا کہ پیرس کا سورج اس اسٹوڈیو میں گھس آیا اور اس مجسمہ ساز کی نگاہیں اللہ کے بنائے مجسمے پر گڑ گئیں۔ نتاشا نے بے آواز، واؤ کے انداز میں ہونٹ گول کیے۔ ابتدائی رسمی کلمات کہنے تک میز پر کافی رکھتی نتاشا مڑ چکی تھی اور وہ اس کے سامنے بیٹھ چکا تھا۔ اسٹوڈیو میں بنے اس سٹنگ ایریا میں وہ آمنے سامنے تھے۔

"یوں تو بلیو کلر بھی تم پر جچتا ہے مگر وائٹ۔" سر بائیں طرف جھکا کے وہ تنقیدی انداز سے دیکھتا بولا۔ وہ سر جھٹکتی تو بال کندھے سے ٹکرا کے لہر سی بناتے۔

"اس قدر سٹاک (تعاقب) کرنا، فقط فین تو نہیں لگتے۔"

"کیا میں آپ کو جان سکتی ہوں؟"

"کبیر اعظم، جہلم پاکستان سی ایم اے، سی، جی ایم میں ساٹھ فیصد شیئرز ہیں میرے باپ کے دنیا کی سب سے بڑی لاجسٹک سپلائی چین پر اجارہ داری ہے ہماری۔ فرانسیسی ماں، مجھے بچپن سے لگتا تھا کہ مجھے لوگ عجیب کہتے ہیں۔ ذرا ہٹ کے بولو۔ پھر یوں ہوا کہ کوئی سات سال پہلے جب تم پچیس اور میں انتیس سال کا تھا، مجھے تمہارے بال پسند آگئے۔ اور بس۔" وہ کچھ دیر چپ رہی۔ اس کے چہرے پر کوئی خوف سا تھا۔

"میری شادی ہے اگلے ہفتے...... تو۔" وہ تنک مزاجی اب نہ تھی۔

"یعنی تمہارے پاس ابھی بھی دس ہزار اسی منٹس باقی ہیں آزادی کے۔ اس میں سے فقط چودہ سو چالیس منٹ مجھے چاہئیں۔ خیر مجھے اپنا اسٹوڈیو دکھا دو، تب تک تمہیں سوچنے کا وقت مل جائے گا۔" وہ کھڑا ہوا۔

"مجھے کچھ نہیں سوچنا۔ عجیب زبردستی ہے۔" وہ کھڑی ہوتے ہوئے بولی وہ مسکرایا۔

www.pklibrary.com

"مجھے تمہاری درانتی کلہاڑے اور ہتھوڑے دیکھنے ہیں۔ دکھا سکتی ہو؟"

"وہ درانتی کلہاڑے نہیں ہوتے وہ مجسمہ ساز کے اوزار ہوتے ہیں۔" وہ بالوں کا جھٹکنا۔ وہ پھر مسکرایا۔

اور یہ کچھ دیر بعد کا منظر تھا۔

"تم یہ سب سوچتی کیسے ہو؟"

"میں نے ایک دیوار رکھی ہوئی ہے۔ سر اس پر مارتی ہوں اور نقش چھپ جاتا ہے۔"

جانے وہ اس نمونے کو لیے لیے کیوں گھوم رہی ہے۔ اسٹوڈیو میں۔ اس کے شاہکار ذلیل ہو رہے تھے اس کے ہاتھوں۔

"یار! یہ اس مجسمے کا سر جھوٹا ہے اور دوسرے کی ٹانگیں، مذاق چل رہا ہے کیا۔" پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ آگے بڑھ گیا۔

"یہ مجسمہ سازی کی ایک قسم ہوتی ہے۔ اس میں لائٹ کا ایفیکٹ دکھایا جاتا ہے جیسے پانی میں ہر چیز کا روپ تھوڑا الگ......"

"یہ تو حد ہی کر دی تم نے، یہ دیوی ماں بچے کی گردن دبوچے محبوب کی راہ تک رہی ہیں' بھلا کچھ دیر رک کے بچے کو نیکر پہنا لینے میں کیا مضائقہ تھا۔ اب کھڑی رہے صدیوں تک ایسے ہی۔" مجسمہ ساز نے بے ساختہ اپنا ماتھا سہلایا۔ اب وہ اوزار دیکھ رہا تھا۔

"یہ بھاری نہیں لگتے؟" وہ اوزاروں پہ کندہ مجسمہ ساز کا نام پڑھتا۔

"حیات دبیر"

"تحفہ دینے والا اگر پوچھ لیتا تو میں یہ ہی کہتی کہ یہ بھاری ہیں۔" وہ رکا۔

"تحفہ دینے والے نے بس اس کی قیمت دیکھی تھی۔ ایمازون کی سب سے مہنگی رینج۔" اب وہ پینٹنگ اسٹوڈیو میں تھے۔

"یہ ہے وہ جہاں جو کبیر اعظم کو تمہارے لیے پسند ہے۔" وہ مسلسل ماتھا سہلا رہی تھی۔ وہ ہر پینٹنگ کی تعریف کر رہا تھا۔

"تو کیا ہم مل رہے ہیں کل؟" رخصت ہونے سے پہلے پوچھا۔

"معذرت چاہتی ہوں' مسٹر کبیر! میری شادی ہے اور......"

"نتاشا کو کہنا۔ مجھے ٹیکسٹ کر دے کہ تم آ رہی ہو یا نہیں۔" وہ سرد سے انداز سے اسے دیکھتی رہی اور وہ مڑ گیا تھا۔

☆☆☆

اس رات چچا کے گھر کے باہر بارش نے شہر کا شہر تاریک کر رکھا تھا۔ سرد موسم نے ہر ایک کی طاقت سلب کر رکھی تھی اور گھر میں ہر طرف خاموشی کا راج تھا۔ وہ اپنے بستر پر لیٹی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ آئینے کے سامنے وہ چراغ دھرا تھا۔ وہ کچھ دیر بعد چہرہ کمبل سے نکال کے اسے دیکھتی پھر خوف زدہ ہو کے واپس چھپ جاتی۔ پھر کچھ دیر میں اس پر غنودگی طاری ہوئی تھی۔ اس نے ابا کو ہنستے دیکھا۔ باتیں کرتے اور لوریاں سناتے دیکھا۔ پھر انجانی ہڑبڑاہٹ میں مبتلا وہ اٹھ بیٹھی۔ کمرے کی لائٹ آن تھی مگر کسی نے جھانک کر نہیں پوچھا کہ کچھ ہوا تو نہیں۔ اسے شام کا منظر یاد آیا تھا۔ جب وہ بھاگتی ہوئی گھر لوٹی تھی۔ خوف زدہ ہراساں اور وحشت بھری تیزی میں مبتلا۔

وہ کہیں چھپنا چاہتی تھی۔ یاقوت آنٹی اوپن کچن میں کھڑی دھاڑیں۔

"شائے۔ واپس آؤ۔ جوتے اتارو اپنے۔ سارا گھر بھر دیا تم نے پانی سے۔ ذرا جو تمیز ہو۔" یہ سب وہ اپنے بچوں کو بھی کہتی تھیں مگر شائے کو بے انتہا تکلیف ہوتی۔ پھر رات کے کھانے پر۔

"ڈیڈ! مجھے پیسے چاہئیں۔ ممی کنجوسی میں کمال ہیں' آپ مجھے خود دیا کریں پاکٹ منی۔" چچا نے حسن کو پیسے دیے۔ شائے سے پوچھا۔

"شائے! تمہیں بھی چاہئیں بیٹا؟" وہ سر اٹھاتی مگر...... ہاتھ اٹھا رہ جاتا۔

"یہ تو آپ مجھے دیں ناں سارے، اسے دیتے رہے گا۔ ہمیں تو ویسے بھی کم کم ہی ملتے ہیں اور اس

www.pklibrary.com

کے ابا کی دو کانوں کا کرایہ......"

"چپ رہو ذوبی، اور یہ لو پیسے۔ شکوے کم کیا کرو۔" چچا ذرا سخت ہوئے۔ وہ آنکھیں میچے سوچنے لگی۔

"ابا! اگر آپ ہوتے تو میرا ہاتھ پیسوں کے لیے اٹھتا ہی نہیں۔" وہ لاشعوری طور پر چراغ کو دیکھنے لگی۔ اور اندر سے کوئی نڈر سی آواز اٹھی۔ پھر وہ ہولے سے اٹھی اور چراغ کے قریب گئی۔ تادیر اسے دیکھا اور پھر یکا یک ہتھیلی سے اس کا کنارہ رگڑ دیا۔ چراغ سے جیسے چنگاری نکلی۔ وہ انتہائی خوف کا شکار ہوئی کہ کمرہ دھویں سے بھر گیا تھا۔

"یہ میں نے کیا کر دیا۔" وہ کونے میں دبک کے کانپنے لگی۔ "یہ مجھ سے۔" "کیا ہو گیا۔" گھٹنے میں سر دیے بڑبڑائی۔

"جو حکم میرے آقا۔" بھاری سرد آواز پر اس نے سر اٹھا کے دیکھا۔ کمرہ خالی تھا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا۔" وہ رونے لگی۔ اسے لگا' کوئی سایہ سا یہاں وہاں گھومتا ہے۔

"آپ کے حکم کا منتظر ہوں میرے آقا۔" قدرے نرم آواز میں کہا گیا۔

"ڈریے مت، میں آپ کی مدد کے لیے بھیجا گیا ہوں۔" مگر وہ سر جھکائے بس روئے گئی۔

یہ اس سے ڈھائی گھنٹے بعد کی بات ہے۔ شائے اپنے بستر پر کمبل میں بیٹھی فضا کو گھور گھور کے دیکھتی رہی۔ یہاں وہاں جانے کہاں ہے۔ اس نے اپنا نام بتایا ہے۔

"میں شائنہ فرید ہوں۔" اپنے ناخنوں کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"میں رافیل ہوں۔" فوری جواب آیا۔

"مجھے ابا واپس چاہئیں۔"

"رکیے، پہلے کچھ جان لیجیے۔ ہر چراغ کی ایک قیمت ہوتی ہے۔ سمجھیں تاوان، سائل کو وہ تاوان بھرنا ہوتا ہے۔" وہ دائیں بائیں دیکھنے لگی۔

"کیسا تاوان؟" اب یہ کیا مصیبت ہے۔

"آپ کا تاوان آپ کے آنسو ہیں۔ سمجھیں نہیں۔ اپنی خواہشات پوری کروانے کے لیے آپ کو اپنے آنسو ہمیں دینے ہوں گے۔ آپ رو نہیں سکیں گی۔"

وہ مطمئن ہوئی۔ "ہاں تو ٹھیک ہے۔"

"تو ابا مل جائیں گے؟" وہ کمبل چھوڑ کر جوش میں بیٹھ گئی۔

"نہیں......" وہی سرد انداز۔ "میں مار سکتا ہوں مگر مرے کو زندہ نہیں کر سکتا۔ میں آپ کی شکل نہیں بدل سکتا۔ اور کسی کے دل میں محبت نہیں ڈال سکتا۔ میرا کام اس کے علاوہ سب کرنا ہے۔" روبوٹک سا انداز تھا۔ ایک ترتیب سے جملے، بے تاثر لہجہ۔

"کیا؟" وہ غم کے مارے چپ رہ گئی۔

"اب تو تم لوگوں نے آنسو بھی لے لیے میرے۔" وہ غصے میں آئی۔

"یہ سب تو سوویز والا جینی (جادو کے چراغ والے جن کا نام) بھی کر سکتا۔ تم تو اوریجنل ہو کچھ لیٹیسٹ (Latest) فیچرز ہوتے۔"

"مجھے لگتا ہے انتخاب میں غلطی ہوئی ہے۔" وہ بولا۔

"کیسے؟" وہ باتھ روم کی طرف منہ کر کے بولی کیونکہ اسے ادھر سے ہی آواز آئی تھی۔

"کیونکہ ہمیں بتایا گیا تھا کہ شدید دکھ میں مبتلا لڑکی ہے۔"

"ہاں تو آنسو تو لے لیے تم نے۔" وہ رائٹنگ ٹیبل کی طرف منہ کر کے بولی کیونکہ اب کے ادھر سے آواز آئی تھی۔ کچھ دیر خاموشی چھا گئی۔

"تمہاری بے حد سیاہ آنکھیں ہیں اور بے تحاشا لمبے بال، موٹے سے ہونٹ اور خوب صورت گال۔" وہی بے تاثر لہجہ۔

"میں آئینہ دیکھ سکتی ہوں۔" وہ جانے کیوں غصے میں آ رہی تھی۔

"ریئلی؟" کتنی ہی حیرانی بھری تھی۔

"پھر منہ کیوں نہیں دھوتیں؟"

pklibrary.com

www.pklibrary.com

"میں دھوتی ہوں۔" وہ ہر طرف غصے سے دیکھ کے بولی کہ وہ دیکھ ہی لے اسے۔

"پھر یہ ایسا کیوں ہے؟" اتنا ترنت کہا گیا کہ وہ کچھ دیر بعد بول پائی۔

"رونے کی اجازت ہونی چاہیے۔" وہ ہچکیاں لیتی بولی۔

"مجھے ضرورت نہیں تمہاری، تم کسی اور کی مدد کرسکتے ہو جاکے۔"

"آپ کا انتخاب......" وہ کہنے لگا۔

"بھاڑ میں جاؤ تم اور انتخاب دونوں۔" اس نے کہا اور کمبل خود پر لپیٹتے وہ چھپ گئی۔

اگلی صبح وہ کچھ لیٹ اٹھی۔ بند آنکھوں سے واش روم گئی گویا وہ بھول گئی کہ کوئی اور بھی ہے کمرے میں۔ بال بنانے آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی۔ تو کلک ہوا۔

"دھوتیں کیوں نہیں منہ۔" اس نے چاروں اور محسوس کیا کوئی نہ تھا۔ آہٹ بھی نہ تھی۔ وہ سانس بھر کے بال بنانے لگی۔

"یہ اتنی ہچکیاں کیوں آتی ہیں تمہیں؟" وہ بے طرح چونکی۔ ڈر کے پیچھے ہٹی۔

"رات بھی مسلسل بولتے ہوئے یہ کررہی تھیں۔" وہ آپ سے تم پر آچکا تھا۔ البتہ آواز ویسی ہی غیر انسانی اور سرد تھی۔

"تم ابھی تک گئے نہیں؟"

"مجھے حکم نہیں ہے۔"

"مجھے بیماری ہے۔ اسے Tcurette کہتے ہیں۔ یہ دماغی کام میں خلل ہوتا ہے۔ دماغ جسم کو صحیح سگنل نہیں دے پاتا اور جسم کے کسی حصے کو جھٹکا لگتا ہے اور آواز پیدا ہوتی ہے۔ مجھے ہچکی آتی ہے اور گردن میں کھنچ لگتی ہے۔" وہ ہر ایک کو بتایا سبق سنانے لگی۔

"انسان اس اذیت کی دوا تو بنا ہی چکے ہوں گے؟"

"ہاں اعصاب کو سن کردینے والی دوا۔ کیونکہ یہ مرض جذباتی ہیجان کے وقت ہی حملہ کرتا ہے۔ مگر دوائی میری رہی سہی صلاحیتوں کو بھی مفلوج کررہی ہے۔ میں چیزوں کو بھول جاتی ہوں اور کبھی کبھی تو سامنے پڑی شے تک نظر نہیں آتی۔" وہ بے تکے طریقے سے بال گوندھتی بولتی رہی۔ وہ خاموش رہا۔

"اور تمہیں یہ بتانے کے لیے انسان تک میسر نہیں۔ کوئی تمہیں سنتا نہیں۔" سرد آواز میں پہلی بار کوئی آنچ سی لپکی۔ وہ مڑ کے سارے کمرے میں دیکھتے ہوئے بولی۔ "اتنی ہچکیوں میں بات سننا ہر کسی سے برداشت نہیں ہوتا۔"

"خواہشات بتاؤ اپنی۔" وہ جیسے اس کے دائیں کندھے تک آیا۔ وہ گھبرا کے پیچھے ہٹی۔

"ابھی میں نے کچھ سوچا نہیں۔ مطلب پتا ہی نہیں کہ کیا مانگوں۔" وہ اسکارف لپیٹتی بیگ کندھوں پر ڈال رہی تھی۔

"یہ تو بہت غیر انسانی بات ہے۔ خیر سوچ لو۔ میں تمہیں وقت دیتا ہوں۔"

"مطلب تب تک تم میرے ساتھ رہو گے؟"

"ہاں تو اور کیا' میں کرائے کے مکان دیکھتا پھروں باریلز میں۔"

"ہائی اسکول بھی ساتھ جاؤ گے۔"

"تو اور کیا گھر بیٹھ کے لانڈری کروں گا تمہارے لیے۔"

"رافے، تم میرے باتھ روم میں نہیں جاؤ گے پھر۔"

"ہاں' جب تم جاؤ گی۔ تب تو ہرگز نہیں۔" وہ فضا کو گھورتی باہر نکلنے لگی۔

"رکو، رکو، میرا نام رافیل ہے۔" سرد ترین اطلاع دی۔

"میں شائے ہوں۔ تمہاری جناتی طور پر آقا' تم تو اب رافے ہی ہو۔"

"جناتی طور پر آقا' یہ کیا ہوتا۔" وہ سرسراہٹیں پھیلاتا اس کے ساتھ ہولیا۔ اور سالوں میں یہ پہلی بار تھا کہ شائے مسلسل بولتی پل کا رستہ پار کرتی سب وے کی طرف جارہی تھی۔ افریقین عورت نے اپنی قبا

www.pklibrary.com

میں سے اسے سرد سا گھورا پھر کریہہ سا مسکرائی۔

"رانفے! تم میرا ناشتہ کھا گئے؟" یہ تھی ان روٹین لائف۔

"رانفے! میرے باتھ روم سے باہر آؤ۔" وہ بند دروازے پر مکے برسانی۔

"مارتھا کے بال بکھیرنا بند کرو۔" ہائی اسکول میں وہ روہانسی ہو جاتی۔

"تم پھر زوبی کا پیزا کھا گئے۔ یاقوت آنٹی مجھ پر چلا رہی تھیں۔" وہ سارے کمرے میں اس کی سرسراہٹ ڈھونڈتی۔

"تم میرے موئسچرائزر کو گھٹیا کہہ رہے ہو اور مجھے بدصورت، خود تو جیسے پریوں کے دیس سے آئے ہو۔ پتا ہے مجھے جنوں کی خوب صورتی کا بھی۔"

اور یہ تو روز کی لڑائی تھی۔

"ہٹو میرے آئینے کے سامنے سے۔"

وہ رات کو اٹھ کے صوفے سے اٹھتی اس کی سانسوں کی آوازیں سنتی۔ اندھیرے میں گھورتی۔ وہ نظر نہ آتا۔ وہ اس کی غیر انسانی آواز اور حرکتوں کی عادی ہوتی جا رہی تھی۔ دن بدن وہ اس جینی کے ساتھ ہنسنے کی مشقیں کرتی۔ اسکریبل کھیلتی، پیزا کھاتی۔ اسائنمنٹ حل کرتی مارسیلز کی بہار پہ تبصرے کرتی۔

اور رانفے۔

وہ اس کی چٹیا گوندھتا۔ جیسے ابا گوندھتے تھے۔

"آج تم صوفے پر سوؤ گی اور بیڈ میرا۔" کبھی کبھی ضد بھی کرتا۔

"تمہارے ہائی اسکول کی کوئی لڑکی حسین نہیں۔ یہ انسانوں کو کیا ہو گیا ہے۔ ہماری دنیا میں تو انسانوں کے حسن کے بہت چرچے ہیں۔"

"تم مجھ سے کمرہ صاف کرواتی ہو۔ اپنی خواہشات بتاؤ تاکہ میں اس دنیا میں لوٹ سکوں۔" سرد آواز میں ناراضی اترتی۔

"تم مجھ سے فرمائش کیوں نہیں کرتیں؟" وہ حیران ہوتا۔

"تمہیں معلوم ہے؟" آواز پراسرار کرتا۔ "کہ تم منہ کھول کے سوتی ہو۔" اس کے متوقع ردعمل سے ڈرتے وہ جگہ بدل لیتا۔ صوفے سے اٹھ کر بیڈ سائیڈ ٹیبل پر بیٹھتا۔ اور وہ کھلکھلا کے ہنس دیتی۔

پھر ایک رات...... جب مارسیلز پر اندھیرا اتر آیا اور وہ ڈنر کے برتن کچن میں رکھ کے لوٹ آئی۔ لیپ ٹاپ گود میں رکھا۔ چشمہ لگایا۔

"وہ ذرافہ سا لڑکا تمہیں اس قدر پسند ہے کہ تم کالج ویب سائٹ سے اس کی فوٹوز چراتی ہو۔" وہ دھک سے رہ گئی۔

"وہ زرافے جیسا نہیں ہے۔" تنک کے بولی۔

"ہاں سچ وہ تو شتر مرغ کا بھانجا ہے۔" وہ اس سے بھی زیادہ تنک کے بولا۔

"خیر، میں اسے کہیں سرچ نہیں کرتی پھرتی۔"

"خیر ہسٹری ڈیلیٹ کر دینے سے تم ایک جینی سے چھپ نہیں سکتیں۔" وہ کتنی ہی دیر چپ رہی۔ سر جھکائے ناخن کھجاتی۔

"یاد رکھنا، میں محبت نہیں کروا سکتا۔"

"مجھے پسند ہے وہ، اسے دیکھتے ہی میرا دل زور زور سے دھڑکتا ہے۔ وہ اس قدر جینئس ہے کہ مجھے ڈر لگتا ہے اسے ہیلو کہتے بھی۔"

"میں محبت نہیں کروا سکتا۔" وہ پھر سے بولا۔

"مگر میں تمہیں اس کی پسند بنا سکتا ہوں۔"

"کیا؟" اس نے حیرانی سے سر اٹھایا۔

"وہ سائیکالوجسٹ کے کلینک میں بیٹھی تھی۔

"کچھ تھراپیز اور مائنڈ ریلیکس کرنے کی ایکسرسائز ہیں یہ تمہاری ہچکیاں کم کر دیں گی اور سانس کی مشقوں سے تم جھٹکے کو کنٹرول کرنے پریکٹس کرنا۔" سین بدلتا اور وہ سیلون کی مالکہ سے بات کر رہی ہوتی۔

"تمہاری اسکن اچھی ہے۔ اگر چمک دار ہو جائے تو۔"

وہ یوٹیوب پر گرومنگ کلاسز لیتی پھر تھک جاتی۔

www.pklibrary.com

"رافے! وہ مجھے ایسے ہی پسند نہیں کرسکتا کیا؟"

"شترمرغ کا دماغ ہے، میں کیا کہوں اب۔" پھر اس دن اسے شترمرغ کو ہائے کہنا تھا۔

"مجھ سے نہیں ہوگا۔" کارونا روتے وہ رافے کو بتائے جاتی۔

"یہی تو میرا اصل جادو ہے۔ شترمرغ کے سر پر لکھے لفظ بولنا اور بس۔" اور واقعی وہ پوچھتا اور جواب اس کے سر پر چمکتا۔ شائے ادا سے وہ جملہ بولتی دل میں ڈرتی۔

"تم سائنس میں کیوں نہیں آئیں۔ حالانکہ تمہارے گریڈز تو کافی اچھے ہیں۔"

"میرے گریڈز اور اچھے۔" ہائے رافے! تم کتنے اچھے ہو۔

"دراصل مجھے کتے بہت پسند ہیں۔" یہ کیا چیکتے الفاظ بولتی، وہ سوچتی کہ جواب کچھ اور ہے سوال کچھ اور تھا گڑبڑ۔

تو سائنس میں وقت دینا پڑتا اسٹڈیز کو جبکہ میں تو۔" بات بنائی ہچکیاں کنٹرول پر کنٹرول کرتے بولی۔

"تو تمہیں کتے پسند ہیں۔ ڈیٹس سو گریٹ۔" وہ یکایک خوش ہوگیا۔ پھر ملنے کا وعدہ کرتی وہ پلٹتی۔

"تم غلط جواب کیوں بتارہے تھے؟" غصے سے بڑبڑائی۔

"اسے کتے پسند ہیں۔"

"تم بہت اچھے ہو۔" وہ مسکرا کر سامنے بولی۔

"مگر تمہاری چوائس اچھی نہیں ہے۔" وہ سنجیدہ ہوئی۔

"مجھے ابھی تمہیں دیکھنا ہے۔ میں بھی تو دیکھوں جنات میں سے نکلتا وہ نور جو تمہیں ہم انسانوں میں نظر نہیں آتا۔"

اب کے وہ ہنسا۔ اتنا خوب صورت کہ وہ رک گئی۔ پھر زندگی مزید آگے بڑھ گئی۔ وہ فون میں مصروف رہتی۔ رافے کے خراٹوں کی آوازیں کمرے میں گونجتی رہتیں۔

"یہ کیسی آواز ہے؟" شترمرغ ویڈیو کال، یہ تھا سن لیتا۔

"یہ ...... یہ تو میرا کتا ہے سو رہا ہے۔" گڑبڑاتی۔

"دکھاؤ۔" فرمائش آجاتی۔

"رافے اٹھو۔ وہ کتا دیکھنا چاہ رہا ہے۔ کہیں سے کتا لاؤ۔" وہ صوفے کے پاس ہولے سے کہتی۔

"تو میں نے سنا تم مجھے کتا کہہ رہی تھیں؟" ناراض آواز۔

"وہ تو میں اچھا سوری ناں۔" یکایک اس کا ہاتھ مڑتا اور کھڑکی کی پر رکھا وہ بالشت بھر اسٹفڈ کتا اسکرین پر ایک بڑا ابل ڈاگ بن کے نظر آرہا ہوتا۔ شترمرغ کی آواز خوشی چھکاتی اور وہ بار بار صوفے سے اٹھتے خراٹوں کو دیکھتی، ہنستی، مسکراتی۔

☆☆☆

"میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ زندگی میں میرے ساتھ کچھ اتنا اچھا بھی ہوسکتا ہے تم نے کر دکھایا رافے!"

یہ ان کا ہائی اسکول ٹرپ تھا۔ پیلس دی فیرو میں، مارسیلز کا بہت قدیم بلندی پر واقع محل کہ جس کی شوکت لوگوں کی زبانوں کو تالے لگا دیتی تھی۔ وہ اپنا لنچ باکس کھول کے رافے کے سامنے رکھتی بولے گئی۔ دور نظر آتے جنگلوں سے پرندوں کا غول اڑا۔

"میں اللہ کی شکر گزار ہوں کہ مجھے تم ملے۔" یہ شاید اس جگہ کی دلکشی کا اثر تھا۔

"حالانکہ تم تو ابا مانگنے گئی تھیں اور میں مفت میں مل گیا۔"

"بس تمہاری یہ زبان......" وہ چپ ہوئی۔ پھر بولی۔ "مجھے گویا ابا ہی مل گئے ہیں۔ بال گوندھتے، سوئی کا کھلا منہ بند کرتے ہاتھ تھامے میلہ گھماتے فکر کرتے، ہلکان ہوتے، میری راہوں کے کانٹے چنتے۔" اس کی آنکھ سے آنسو نکلا۔

"پتا ہے رافے جس دن ابا گئے تھے۔ اس دن

www.pklibrary.com

فروری کی تاریک سی دھند تھی۔ جاڑا تھا اور کہر اور مجھے بخار تھا۔ میں روتی تھی کہ ابا کھیتوں میں مت جائیں میرے پاس رہیں۔ ابا مجھے ساتھ لے جائیں۔ وہ لے گئے۔ پگڈنڈی پر کھڑا کر کے مجھ سے کہا کہ پانچ منٹ میں لوٹ آئیں گے۔ وہ چلنے لگے۔ میں روتی۔ بولے شائنہ میرے بغیر کھڑے رہنا سیکھ پتر! وہ گئے اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ٹریکٹر میرے ابا کے سینے پر گرا ہے۔ میں کھڑی نہ رہ پائی۔ میں گر گئی۔ مٹی میں لت پت میں ابا تک گئی تو وہ پھٹی آنکھوں سے جیسے مجھے ہی دیکھتے میں بہت اونچا چیخی۔ ابا کی آنکھ سے آنسو نکلا تھا۔ میں ابا سے پہلے مر گئی تھی۔ میں وہیں مر گئی تھی۔ تمہیں نہیں پتا کسی کو نہیں پتا کہ اس رات لوگوں سے بھرے صحن میں میں کتنی تنہا، کتنی مردہ تھی۔ کسی کو اپنے گھر سے اتنا خوف نہیں آیا ہوگا جتنا مجھے آیا۔ میرا سب کچھ مٹی تلے جا سویا۔"

وہ اتنی ہچکیوں تلے روئی کہ بس...... پھر اسے لگا کہ اس کے گرد بازوؤں کا حصار کیا گیا ہے۔ اسے سینے سے لگایا گیا ہے۔ وہ اور شدت سے روئی۔

"رافے...... میری دوسری خواہش ہے کہ مجھے ابا چاہئیں۔ مطلب مجھے تم چاہیے ہو۔ میری تیسری خواہش ہے کہ مجھے تم ہمیشہ چاہیے ہو۔" ہچکیاں لیتی وہ تیز تیز بولتی۔

"اور وہ شتر مرغ۔"

"وہ کتوں کے ساتھ خوش رہے گا۔" ایک خاموشی سی سرسرائی تھی اور وہ جھٹکے سے جیسے دور کی گئی۔ جیسے پھینکی گئی۔

"رافے......" وہ گر گئی۔ اس کا ماتھا زمین سے ٹکرایا۔ وہ تکلیف سے دہری ہوئی سیدھی ہوئی اور جیسے اس کی آنکھوں سے کوئی پردہ کھینچ کے اتار دیا گیا ہو۔ پردے کے پاس اس نے اپنی ساری جماعت کو کھڑے دیکھا۔ حیرت زدہ، خوف زدہ۔ وہ زرد ہوگئی۔ زوبی تیزی سے اس سے دور بھاگتی تھی۔

☆☆☆

کسی وقت میں زندگی راکھ سے بھی جنم لیتی امید ہوتی ہے۔ میسج ٹو۔"

وہ زرد شرٹ اور وائٹ جینز پہنے، وائٹ ہیلز میں قید پیروں کو جھلاتی کیفے الونج کے ایک پرسکون گوشے میں ایک بے تحاشا پھولے سفید اسٹول میں دھنسی بیٹھی تھی۔ وہ آج سرمئی سویٹ شرٹ میں تھا۔ گھڑی اور بال ویسے ہی سیاہ اور چمکیلے۔

"یوں تو تم یہ بلیو رنگ بھی جچتا ہے مگر وائٹ تو......" وہ آنکھ دبا کے بولا تو وہ بے ساختہ ہنستی۔

"یار تم آرٹسٹ لوگ بڑے Unpredictab (ناقابل یقین) ہوتے ناں۔ جیسا کہ ابھی کل دس بجے تک تمہارا مجھ سے ملنے تک کا کوئی ارادہ نہ تھا اور آج تم آدھی کافی بھی ختم کر چکی ہو۔"

وہ یک دم سنجیدہ ہوئی تو وہ ہنسا۔ اب وہ اس کے پیچھے کی پینٹنگ کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ جب وہ ہاتھ جھلا جھلا کے بتا رہی تھی تو بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

"جب تم صحافیوں پر برستی ہو، مینجر کو دھمکیاں دیتی ہو اور گھر والوں کو کھری کھری سناتی ہو تو کیا ایک بار بھی نہیں سوچتیں کہ تم اصل میں ایسی نہیں ہو؟" وہ گہری آواز میں بولا۔ وہ ٹھٹک کے رک گئی۔

"تم تو اپنی بنائی کی مورت سی شفاف اور پاکیزہ ہو۔ اسٹینڈرڈ مین ٹین کرتے کرتے تم کھردری عورت کیسے بن گئیں؟"

"لوگ مجھ سے پرفیکشن کی امید رکھتے ہیں۔ وہ مجھ میں خوب ہی خوب دیکھنا چاہتے ہیں، کوئی یہ نہیں جاننا چاہتا کہ میرے اندر ایک بچپن والا روپ بھی زندہ ہے۔ وہ تو میرے فن کی گہرائیاں جاننا چاہتے ہیں۔" کیفے کا ماحول جیسے سبک ہوگیا۔ وہ تھکے اعصاب سے بولتی رہی۔

"اور وہ تمہارا مائیکروسافٹ انجینئر؟"

"عماد اچھا لڑکا ہے۔ مگر...... اسے یہ بہت فکر رہتی ہے کہ کوئی کام بھی دنیا کے معیار سے ادھر ادھر نہ ہو۔ وہ دنیا پرست ہے اور مجھے......"

"تمہیں......؟" وہ پوچھتا۔

www.pklibrary.com

"مجھے تو پہاڑوں میں بسایا گیا آسیب زدہ خاموش گھر پسند ہے کہ جس کا آنگن کہیں ختم نہ ہو۔"

"اور تمہارا شوہر لکڑ ہارا ہو۔ شام کو لکڑیاں کاٹ کے گھر لوٹے اور تم ایک خرگوش بھون کے اس کے سامنے رکھو ہاہاہا۔" وہ بھی ہنسی میں شامل تھی۔

"میں جانتی ہوں، ایسا ممکن نہیں، لوگ ہنستے ہیں ایسی باتوں پر۔" وہ سر جھٹک کے بولی۔ فضا کا سبک پن بڑھتا ہی جاتا۔

☆☆☆

اگلی رات کو پیرس کی خاموش گلیوں میں چہل قدمی کرتے وہ گردن موڑ کے اسے بغور دیکھتا تھا۔

"تمہارے بال بہت حسین ہیں۔" دھیرے سے کہا۔ وہ مسکرا کے سر خم کر گئی۔

"اور گال بھی۔" وہ ہنسی۔ پھر خود کو سنبھال کے بولی۔

"تم مجھے تنہا سمجھ کے ڈورے ڈال رہے ہو ناں مجھ پر۔" ادا سے کہا۔

"پہاڑوں میں گھر بسانا اتنا بھی مشکل نہیں مگر آسیب زدہ؟ یہ تمہارے عماد کے جانے سے خود ہی ہو جاتا۔"

"عماد اچھا لڑکا ہے۔"

"میں اس سے زیادہ اچھا لڑکا ہوں۔ یقین نہیں تو آزما لو۔" وہ چٹان بن جاتا۔

"تم لڑکے ہی کہاں ہو، گلے میں ابھرتی لہر کو دباتی وہ نیم مزاحیہ انداز میں کہتی آگے بڑھ گئی۔ وہ پیچھے آتے ہوئے بولا۔

"اور میں آسیب زدہ بھی ہوں۔" سناٹا عود کر آیا تھا۔ افشاں اور دھواں فضا میں تیرتا اس نے خود دیکھا تھا اور گھبرا کے پیچھے ہٹی تھی۔

☆☆☆

"ڈیڈی! ہم سب نے خود دیکھا اسے کسی سے باتیں کرتے۔ بے تحاشا رو رہی تھی۔ سب لوگوں نے ویڈیو بھی بنائی ہے، یہ تو دیکھیں۔ پورے اسکول میں اس کو پیرا نارمل کہا جا رہا ہے آپ اسے کسی ڈاکٹر تو دکھائیں۔" زوبی کا یہ واویلا اسے نفسیاتی ڈاکٹر کے پاس لے آیا۔

"وہ میرا رافے ہے۔" وہ راز سے بتاتی۔ شیشے کے پار بیٹھے چچا کے چہرے پر تشویش بڑھتی جاتی۔

"رافے! مذاق بند کرو۔ بولا ناں کہ تم یہاں ہو۔" وہ کمرے میں ہر طرف دیکھتی کہتی۔ آواز آنا کب کی بند ہو چکی تھی۔ وہ گھبرا کے ڈاکٹر کو دیکھتی۔

"ہاں ہاں بلاؤ اسے۔" وہ اکساتا۔ پھر دو ڈاکٹر مزید بلائے گئے، وہ پلٹ کے چچا کا زرد چہرہ دیکھتی۔

"رافے...... پلیز رافے۔" اب وہ ہیجانی انداز میں اسے پکارتی۔ ڈاکٹر کیفیت لکھتا۔ وہ سب ایک دوسرے کو آنکھ سے اشارہ کرتے اور چچا کو اندر بلاتے۔

Hallucination (تصویر کا دھوکا) کا مرض ہے اسے۔ اس نے تصوراتی کردار بنا رکھا ہے اپنے ذہن میں جو اس کے باپ جیسا ہے۔ کچھ سیشنز ہوں گے اور کچھ میڈیسنز ہوں گی جس سے یہ نارمل ہو جائے گی۔ اس نے بولتے ہوئے سر جھکا۔

"را...... فے۔ را...... فے کیا م...... سئلہ ہے؟ پل...... یز...... آ...... و ناں۔" گردن اکڑ رہی تھی اور وہ مسلسل بول رہی تھی۔

"چچا! میں...... ج...... ھوٹ نہیں بو...... ل رہی...... وہ...... ہے۔" چچا اسے دوائی دیتے سلا دیتے۔

اگلی صبح پھر وہی رونا، چیخنا شروع۔ اس کی آنکھوں کے پپوٹے رونے ذہنی دباؤ اور سن کرتی دوائیوں کی وجہ سے نیلے پڑ گئے تھے۔

"مج...... ھے پتا ہے۔ تم اد...... ھر ہو...... تم...... تمہاری...... خو...... شبو آرہی ہے۔ پلیز...... بو...... لو...... بو...... لو۔" وہ چیخ چیخ کے بھی تھک گئی۔

یاقوت آنٹی نے دروازہ باہر سے لاک کر رکھا تھا۔ وہ شدید تنہائی، خوف اور بے یقینی کے زیر اثر تھی۔

"ابا...... ابا...... ابا" وہ دوسری بار مر رہی تھی۔

"رافے...... را...... فے...... رافے پھر وہ کسی

www.pklibrary.com

پنجرے میں قید شیر کی طرح دھاڑتی۔
"یہ گھر میں رکھنے کے لائق نہیں منیر، اس کا کچھ کریں۔" یاقوت آنٹی نے یہ لفظ منہ سے نکالنے میں جھجک ہرگز محسوس نہ کی۔
اور جب کھانا دینے گئی زوبی پر اس نے حملہ کیا تو جیسے اس کی چیخوں نے شہر کا شہر ہلا دیا۔ اور اگلی صبح ان کے دروازے پر سینٹ این ہاسپٹل کی گاڑی کھڑی تھی۔ وہ پیرس کے سب سے بڑے مینٹل اسائلم میں جانے والی تھی۔

☆☆☆

مینٹل اسائلم کے برآمدے، کمرے، میدان تھے۔ پیرس کی برفباری نے لان ویران کر رکھے تھے۔ وہ ڈاکٹروں سے لڑتی۔
"میں جھوٹ نہیں بولتی۔"
"وہ دھوکا نہیں تھا۔" وہ بتاتی۔ وہ مریضوں سے ڈرتی۔ چیختی۔ وہ اسے نیند کے انجکشن لگاتے۔ دن گزرتے گئے۔ مہینوں میں بدل گئے۔ اس کے جسم پر اب نیل تھے۔ جابجا پڑے نیل اس کے بلڈ پریشر کے شدید ڈسٹرب ہونے اور سوئیوں کے سوراخوں کی نشاندہی کرتے۔ وہ ایک لاغر، مفلوک الحال لڑکی تھی جو یا نشے کے زیر اثر ہوتی یا چیختی، روتی اور یا پھر دو نام پکارتی۔
"ابا...... رافع" ایک بار چچا کے ساتھ زوبی بھی آئی تھی۔ اسے دیکھ کر روئی۔
"ڈیڈی، شائے کو گھر لے جاتے ہیں۔" یاقوت آنٹی اسے کھینچتی لے گئیں۔
"ہاں تاکہ یہ ہم میں سے کسی کے پیٹ میں کانٹا گھسا دے یاد نہیں؟" وہ خاموشی سے سنتی رہی۔ چچا کے کندھے مزید جھک گئے۔
پھر دو سال گزر گئے۔ اس کی ذہنی حالت مزید بگڑتی گئی۔ اور ایک رات اسے رافع کی آواز سنائی دی۔
"تم ٹھیک کیوں نہیں ہو رہیں شائے؟" غنودگی میں اسے اپنے گال پر انگلیاں سرسراتی محسوس ہوئیں۔ وہ پوری طاقت سے آنکھیں کھولنے کی کوشش کرتی مگر ناکام رہتی۔ پپوٹوں پر جیسے آسمان دھر دیا گیا ہو۔
"تم ایک سائے کے لیے خود کو سایہ کرنے پر کیوں تل گئی ہو۔" آج اس کی آواز جذباتی تاثر دیتی غیر انسانی نہ لگتی۔
"میں تو تمہارے ساتھ ہی ہوں۔ میں نے کہاں جانا ہے اب بھلا؟" سرگوشی میں راز و نیاز کرتا لہجہ۔
"مجھے معاف کر دو، آئی ایم سوری، سو سوری۔" آوازیں آتی رہیں۔ ایک ہاتھ اس کا ہاتھ سہلاتا۔ شائے کا دماغ اندھیرے میں ڈبکیاں کھاتا رہتا۔

☆☆☆

وہ عورت ہر روز اسے دیکھتی تھی۔ پھر وہ اس کے قریب آنے لگی۔ چھوٹی چھوٹی باتیں کرتی فکر، پرواہ کرتی۔
"کسے بلاتی ہو؟" اس نے شائے سے ایک روز پوچھا اور شائے اسے بتاتی چلی گئی۔ وہ خاموشی سے شائے کے بال سہلاتی رہی۔ بڑی دیر بعد بولی۔
"وہ باہر نہیں ملے گا بیٹا۔ وہ تو تمہارے اندر بیٹھا ہے۔ کہیں گیا ہی نہیں۔ ورنہ چراغ کہاں ہوتے ہیں۔ وہ تو الف لیلوی زندگی میں ہی ملتے ہیں۔"
"اگر تھا بھی...... تو کچھ لے کر تو نہیں گیا۔ دے کر ہی گیا ہے ناں...... کیا تمہارا کوئی رب نہیں؟"
"میرا رب ...... ہے ناں۔" وہ اثبات میں ہلاتے بولی۔
"تو پھر اسے مانتی کیوں نہیں؟ لوگوں کو بیساکھیاں بنائے رکھنا چاہتی ہو اور رب کا سہارا قبول نہیں کرتیں، باپ مر جائے تو وہ تم میں اپنی ذات کا ایک حصہ چھوڑ کے جاتا ہے۔ جب تک وہ حصہ تمہارے پاس ہے، تم تنہا کیسے! تمہارا رافع تمہارا ایمان درست کرنے ہی آیا تھا شاید، رب پر ایمان رکھو تو سہی۔" وہ ہر روز ایسی باتوں سے تھراپی کرتی۔

www.pklibrary.com

اور شائنہ فرید کا سویا دماغ جاگنے لگا تھا۔

☆☆☆

کسی وقت میں زندگی جھکے سر کو اٹھے عزم میں بدل دینے کے سوا کچھ نہیں...... میسج تھری۔

وہ اپنے کمرے کو سالوں بعد دیکھ رہی تھی۔ ہر پرانی چیز سے لاتعلق سا کمرہ، ہفتے بعد اس نے اٹھ کے اپنی کتابیں دیکھتے ہوئے سوچا تھا کہاں سے شروع کیا جائے۔ سرا ہی نہ ملتا تھا وہ ہر ہر کوشش سے کتابوں کو ازبر کرنے کی کوشش کرتی مگر اس کی ذہنی صلاحیت اور یادداشت بہت متاثر ہو چکے تھے۔ وہ نئے امتحان میں مبتلا تھی کہ اب وہ کچھ کر بھی نہیں سکتی تھی۔ ایک کافی شاپ میں ویٹرس بنی شائنہ فرید اپنی دوائیاں بھی ان پیسوں سے نہیں خرید سکتی تھی۔ مستقبل کا کوئی خواب رہا ہی نہ تھا۔ مارسیلز کی راتیں سیاہ ترین اور دن طویل ترین ہو گئے تھے۔ اور یونہی ایک دن ...... اپنے آپ کو...... ڈھونڈتے اسے کچھ ملا تھا۔ قارون کا خزانہ۔

☆☆☆

وہ اودے لباس میں تھی کہ جس پر بے ترتیب سفید لکیریں کھینچی گئی تھیں۔ اس کا ہینڈ بیگ سفید تھا۔ وہ سفید شرٹ اور بھوری پینٹ میں تھا۔ اسے دیکھ کے مسکراتا مگر وہ سنجیدہ سی کلانک (دو پہاڑوں کے درمیان بنی تنگ پٹی جو سمندر میں اترتی ہے) کی نرم گھاس پر بیٹھی، نیچے گہرائی میں جمع پانی دیکھتی رہی۔

"میں عماد کی کالز پک نہیں کرتی۔ میں گھر والوں کی نہیں سنتی۔ میں اس ایک گھنٹے کو باقی تئیس گھنٹے ساتھ لیے گھومتی ہوں۔ میں پچھلے پانچ دن سے کینوس پر ایک اسٹروک نہیں لگا سکی۔ مجھے میرے بہت سے فیصلوں پر رنج ہونے لگا ہے۔ میں نے ابھی تک اپنا پری ویڈنگ شوٹ البم کھول کر نہیں دیکھا۔ میں اپنی ڈیزائنر کی کوئی بات ٹھیک سے نہیں سنتی۔ وہ شکوہ کرتی ہے۔ یہ میں کیا کر رہی ہوں؟" وہ اسے گہری نظروں سے دیکھتا مسکرانے لگا۔

"زندگی میں اتنا کامیاب، اتنا ترقی پسند ہو جانے کے باوجود مجھے اپنے آپ کو متوازن رکھنے کا فن نہیں آسکا۔ میں ابھی بھی کسی کے سات گھنٹوں کو زندگی کا آدھا حصہ دینے کو تیار کیسے ہو سکتی ہوں؟"

"سات گھنٹے والے کو پوری زندگی کیوں نہیں دے دیتیں؟ جو وہ پچھلے چودہ سال سے تم سے مانگ رہا ہے۔" وہ چونک گئی، بہت بری طرح۔

"عماد کا کیا ہوگا؟ ہماری شادی کا؟ جو کہ پرسوں ہے۔" وہ تولتی نظروں سے اسے دیکھے گئی۔ وہ کچھ دیر نڈر سا اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

"وہ شتر مرغ اپنے کتوں کے ساتھ بھی خوش رہ لے گا مگر یہ آسیب تو مر جائے گا ناں۔"

بے تحاشا دھواں اٹھا تھا اور دماغ میں گویا دھماکے ہوئے تھے۔ اندھیرا تن کے اس کی آنکھوں میں جمع ہوا تھا۔

"میرے ساتھ کھیلنا بند کرو رانفے" وہ چیخی۔

☆☆☆

کسی وقت میں زندگی نڈر آگے اٹھتے قدموں کے سوا کچھ بھی نہیں...... میسج فور۔

وہ ہاتھ میں ایک فولڈر لیے۔ کندھے پر لٹکے بیگ میں چند پونڈز لیے فرانس کی سب سے بڑی آرٹ یونیورسٹی، پیرس کالج آف آرٹس میں انٹری میٹنگ کے لیے آئی تھی۔ گرما کی دھوپ میں آنکھیں سکوڑے وہ نیم پاگل لڑکی دنیا کی عظیم درس گاہ کو دیکھتی یہ سوچتی کہ وہ اتنا بڑا کیسے سوچ سکتی ہے۔

وہ یہ ہرگز نہ سوچتی اگر اس کے ہاتھ اپنے پرانے بنائے اسکیچز نہ لگتے۔ وہ رانفے کے اسکیچز بناتی تھی۔ بہت ڈراؤنا چہرہ اور وہ حسن پرست جیسی چنگھاڑتا۔ پھر وہ بہت حسین مرد بناتی۔ گہری آنکھوں اور خوب صورت مسکراہٹ والا۔

یہ زیادہ ہو گیا ہے۔ اسے پھر پسند نہ آتا۔

پھر وہ اپنے بے ترتیب خیالات وہ خوش ہوتا۔ ان اسکیچز کو دیکھتے وہ اپنا مستقبل کا نقشہ بناتی۔

"چچا مجھے آرٹ یونیورسٹی میں ایڈمیشن چاہیے۔" وہ کھانے کی میز پر بولی۔

www.pklibrary.com

وہ دل سے مسکرائی اور پاکستانی نژاد فرانسیسی مصور کے طور پر نیویارک ٹائمز سرورق پر آنے والی پہلی کم عمر لڑکی بننے کے لیے تصویریں کھنچوانے لگی۔ پھر گھر میں بہت بڑی پارٹی ہوئی۔لوگ اس سے آٹو گراف لیتے زوبی کی دوست جھجکتی آگے آتی۔

''کیوں بھئی،اس کے لیے تو دماغی ٹیسٹ کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ میرا ٹھیک نہیں آتا۔'' وہ شگفتہ کہتی تو محفل زعفران ہو جاتی۔

یوں وہ ہر خواب کو حقیقت کرتی گئی۔ آگے بڑھتی گئی مگر ایک آسیب جو اس کے اندر تھا......

☆☆☆

وہ ہمارا یونیورسٹی پروجیکٹ تھا۔ کیلیفورنیا یونیورسٹی میں ایک جاپانی پروفیسر نے لیزر ریفریکشن کی تھیوری کو استعمال کرتے ہوئے Lasar Refrathim وہ ایک قبا بنائی تھی کہ جس میں ہزاروں کیمرے تھے جو انسان کو صاف پردہ بنا دیتے تھے۔ غائب کر دیتے تھے۔ میں پروفیسر یو آبے کا اسسٹنٹ تھا۔ میرا باپ بہت امیر تھا تو میں نے وہ قبا خرید لی۔ کرسمس کی چھٹیوں میں میں پیرس آیا تو ہمیں یہ تجربہ کرنے کا موقع ملا، ٹارگٹ تم تھیں۔ ہماری افریقین ساتھی نے جانے کیسے تمہارا انتخاب کیا مگر ہمیں مزہ آیا۔''

''تمہیں مزہ آیا؟ میری اذیت پر......؟'' دکھ سے اس نے آنکھیں میچیں۔

''وہ میری اذیت زیادہ تھی شائے! مجھے لگتا کہ تم ٹریکٹر کے نیچے اور میں پگڈنڈی سے گرا ہوں، میں اٹھ ہی نہیں پاتا تھا۔''

''میں نے کتنا پکارا تمہیں رانے! میں کتنا روئی میرا دل تک چھل گیا۔''

''ہماری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اب اس سلسلے کو ختم کیسے کریں۔ کیونکہ ہم دونوں کی اٹیچمنٹ غیر یقینی حد تک بڑھ گئی تھی۔ تم پکارتیں تو میں بولتا مگر پروفیسر نے میرا مائیک آف کر دیا تھا۔ میں کچھ نہیں کر سکتا تھا ورنہ ہمارے خلاف لیگل کارروائی ہوتی۔ سب کے

''جی ڈیڈ! میں نے بھی سنا ہے کہ عظیم آرٹسٹ پاگل لوگ ہی ہوتے ہیں۔'' حسن کا بلاوجہ کا قہقہہ۔

''آپ مجھے پیرس بھیج دیں کیونکہ اس قدر دانا لوگوں میں رہنا اب ممکن نہیں رہا۔'' وہ سرد سا بولی تو حسن کو اس میں نظر آتا اعتماد چپ کرا گیا۔

''کیا وہ دماغی حالت کا ٹیسٹ نہیں لیتے؟''

زوبی کی ایک دوست کالج گروپ میں تبصرہ کرتی۔ ساری رات شائنہ کاربن سے ہاتھ کالے کیے وہ اسکیچ بناتی اب وہ انٹرویو پینل کے سامنے وہ اسکیچ رکھے بیٹھی تھی کہ جس میں دھویں سے بنا ایک وجود تھا۔ دیکھنے میں دھواں لگتا مگر بغور دیکھنے سے وہ ایک زندہ آدمی تھا۔ پینل تیزی سے کچھ لکھتا۔

''اس کا نام 'حقیقت' کیوں ہے؟ 'خواب' کیوں نہیں؟''

''کیونکہ میں نے اپنی زندگی میں یہ سیکھا ہے کہ خواب کچھ نہیں ہوتے۔ وہ تو بس حقیقت سے پہلے کا ایک مرحلہ ہوتے ہیں۔ خواب ہی دراصل حقیقت ہیں۔ حقیقت کا خواب کے بغیر کوئی وجود نہیں۔ یہ جو فضا میں اڑتے انسانوں کے بنائے پرندے نما جہاز ہیں یہ جو ہماری دنیا کی 'حقیقت' ہیں یہ بھی کسی کا 'خواب' تھے۔ ہر شے جو 'حقیقت' ہے کبھی خواب تھی۔''

وہ یونیورسٹی کی مقبول ترین طالبہ بن گئی۔ اور پھر اسے نمائش کا موقع ملا۔

''چچا! دو کانیں بیچ دیں۔'' پیسے پورے نہ ہوئے۔

''چچا گھر بیچ دیں'' وہ ٹھنڈا سا کہتی۔

''وہ تمہارے باپ کی نشانی ہے۔''

''میں نمائش سے اگلے دن ہی اس قابل ہو جاؤں گی کہ ایسے تین گھر خرید سکوں۔'' اس قدر پراعتماد تھی وہ۔ اور ہاں اللہ گمان کے نزدیک ہے۔ جس وقت وہ نیویارک ٹائمز کی فوٹو شوٹ ٹیم کے ساتھ کام میں مصروف تھی، چچا کا پیغام موصول ہوا کہ گھر واپس خرید لیا ہے۔

www.pklibrary.com

لائسنس کینسل ہو جاتے مجھے ان سب کی فکر تھی۔"

"میں نے اتنے سال تمہیں ڈھونڈا رافے میں اتنی تنہا کبھی نہ تھی، جتنا تم مجھے کر گئے۔" وہ آنسوؤں سے روتی کہنے لگی۔

"میں تمہارے ساتھ تھا شائے! ہر پل میرا فزکس کا کیریئر ختم ہو گیا اور میں نے فقط ایک ہی نوکری کی...... تمہاری چاکری...... تم نشے میں پہروں سوتیں اور میں پہروں تمہارے سرہانے بیٹھتا۔ تم روتیں، میں ڈاکٹرز کے پیچھے بیٹھتا۔ تمہاری تھراپی ہوتی میں ہر ہر آلہ گھٹنوں پر رکھتا۔ تمہارا دماغ کتنا سویا ہے؟ اس کی نشوونما کیوں رک رہی ہے؟ تمہار ابلڈ پریشر کیسے نارمل ہو سکتا ہے؟ میں سارا سارا دن یہ حساب کرتا۔" وہ رکا۔

"تمہاری دو کانیں بک رہی ہیں، میں خریدار ،گھر بک رہا ہے میں خرید رہا ہوں۔ تم نے خریدنا ہے۔ میں بیچ رہا ہوں۔ میری شادی کی عمر گزر گئی ان چونچلوں میں۔ اور اب تم اس شتر مرغ سے شادی کر رہی ہو؟ میں اتنی بڑی سزا ابھی ڈیزرو نہیں کرتا یار۔"

"محبت کب ہوئی مجھ سے؟" وہ آنسو پونچھتی پوچھتی۔

"یونیورسٹی میں تمہارا تیسرا سمسٹر تھا۔ اس دن تم نے سفید لمبا لباس پہنا تھا اور بال ایسے ہی چھوٹے کروائے تھے، اس دن تم کتنی جلدی میں تھیں اور مجھ سے ٹکرائیں۔ بس ہو گئی محبت۔" وہ روتے ہوئے ہنسی۔

"تم نے مجھے کب پہچانا شائے؟"

"پہلی ملاقات سے ہی، جب تک تم میرے سامنے بیٹھے تھے تب تک میں تمہیں جان چکی تھی۔"

"تم نے مجھے کیسے پہچانا شائے؟"

"تمہاری خوشبو سے۔ ابا والی خوشبو، تمہاری سرسراہٹ اور پھر آواز سے۔"

"مجھے معاف کر دو پلیز۔"

"تم مجھ سے کیا لے گئے تھے رافے؟ کچھ بھی نہیں مگر دے کر بہت کچھ گئے تھے۔ تم نے مجھے سہاروں کی بے وقعتی کا بتایا، تم نے مجھے یہ سمجھایا کہ سہارا تو کہیں اندر بیٹھا ہوا ہے۔ اور اس سے بھی پائیدار سہارا تو کہیں اوپر آسمانوں پر بیٹھا ہے۔ میں فقط انسان سے اشرف المخلوقات کیسے بن سکتی تھی اگر تم یہ اسباق مجھے نہ پڑھاتے۔ میں کسی دفتر میں معمولی ملازمت کرتی اور زندگی ایسا سوال ہی رہتی میرے لیے جسے میں امتحان میں چھوڑنے والی تھی۔" شائے کا فون مسلسل بج رہا تھا۔

"تمہیں اس بندے کا فون اب کیوں آ رہا ہے شائے؟" وہ روہانسا ہوا جیسے۔

"کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ مجھے پہاڑوں میں گھرا آسیب زدہ گھر مل ہی گیا ہے۔" اس نے فون آف کر دیا تھا۔

"تو گویا تمہیں رافیل کبیر اعظم قبول ہے۔"

"میں نے یہ تو نہیں کہا۔" وہ ادا سے بولی۔

"تو میں تمہیں اس ان لٹ میں پھینکنے والا ہوں سمجھیں۔ بہت ہو گیا محبت کا ڈراما۔"

"ہونہہ جیسے میں تیراکی نہ جانتی ہوں۔" وہ بہت بڑی ہوئی تھی۔ کامیاب، پراعتماد، خودمختار لڑکی،

"ادھر آؤ پھر ذرا!" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کے پانی کی طرف کھینچنے لگا۔

"رافے! تم بیوہ ہو جاؤ گے یار۔" وہ چیخ کے بولی۔ دونوں بری طرح ہنسے تھے۔ افشاں اڑاتی، دھواں پھیلاتی۔

☆☆☆

گویا زندگی میان میں بجی تلوار نہیں۔ یہ لڑنے، وقفہ لینے اور پھر سے لڑنے کا نام ہے۔

پھر وہ ہنسی خوشی رہنے لگتے ہیں۔ ہاں مگر انہیں اس 'ہنسی' اور 'خوشی' کے لیے لڑنا پڑتا ہے۔ وقت سے حالات سے، حادثات سے، جذبات سے، ہر ہنسی خوشی کی ایک قیمت ہوتی ہے جو 'جدوجہد' سے چکانی پڑتی ہے کہ زندگی نرم و گداز تخت پر پڑے گاؤ تکیے جیسا کچھ نہیں۔